مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرعیہ کی روشنی میں

بزرگانِ دیوبند کے تازہ ارشادات کا تنقیدی جائزہ

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (۳۹:۳۰)

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان)

(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میت ہونے پر قرآن عزیز بعبارۃ النص دلالت کر رہا ہے۔ اور اس کے خلاف ادلہ شرعیہ میں سے کوئی صاف دلیل نہیں۔ صرف محتمل المعانی چند روایات ہیں۔ جو صحت کے اعتبار سے بھی اس درجے کی کم از کم نہیں ہیں۔ کہ ان کی بنا پر قرآنی نص کو تاویلات کی آماجگاہ بنا دیا جائے مگر افسوس ہے کہ مغالطوں کی اس دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے ـــــ اور قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک اور "اعجاز" کا اس صدی میں اضافہ شاید ضروری خیال کیا جا رہا ہے ـــ! شرح اس کنائے کی یہ ہے کہ دیوبند کے ترجمان مجلہ دارالعلوم میں ایک فاضل دیوبند نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس "اعجاز" کے دکھانے میں زورِ قلم صرف کیا ہے۔ کہ آپ کی زندگی برزخی نہیں بلکہ وہ زندگی دنیوی زندگی جیسی ہے۔ اور پھر اس کو "اعجاز" قرار دیتے ہوئے عجیب قسم کے مغالطات عامۃ الورود سے ان کو کام لینا پڑا ہے۔ کیونکہ دلیل تو اس پر کوئی بھی ملنے سے رہی ـــ!

زیرِ اشاعت مقالہ میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدظلہ العالی نے

اس اعجازی مضمون کا جائزہ لیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

گذشتہ شمارہ میں اس کی پہلی قسط شائع ہو چکی ہے۔ آج دوسری ملاحظہ فرمائیے

(رحیق)

مخالف توحید تحریک کی ناکامی

حقیقت یہ ہے کہ رضاخانی تحریک کا براہ راست مقابلہ کتاب و سنت سے اور اس کی جنگ مجاہدین اسلام اور شہدائے حق سے تھی۔ ان کی تکفیر کا نشانہ شہدائے بالاکوٹ تھے۔ ان لوگوں کا "خوشگوار" مشغلہ صرف تقویۃ الایمان، نصیحۃ المسلمین، راہ سنت اور کتاب التوحید ایسی مدلل کتابوں بلکہ قرآن عزیز کے بھی بعض بنیادی حصص کی تردید کرنا ہی رہ گیا تھا ــــ اور ان کے بالمقابل جو لوگ تھے وہ تھے اکابر اولیاء اللہ (وہ) جنہوں نے کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور مسلمانوں میں احیائے جہاد میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں! ظاہر ہے ــــ ان مقدس ہستیوں کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں مل سکتی تھی ــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب (مشکوٰۃ) یعنی "جو میرے اولیا سے دشمنی رکھے، میرا اس سے اعلان جنگ ہے"۔ چنانچہ یہ تحریک حق تعالیٰ کے غضب کی گرفت میں آگئی (جس کے نتیجے میں ان میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہو گئیں جن کے ہوتے ہوئے ان حضرات کی کامیابی ناممکن ہے ــــ (وہ خصوصیات مختصراً ذیل میں معروض ہیں۔

(۱) اہل حق اور اتقیا سے بغض ــــ (۲) زبان درازی و بدزبانی ــــ (۳) مسلمانوں کی تکفیر (۴) بے ضرورت اور بے مقصد مسائل پر زور، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اب بھی دنیوی زندگی حاصل ہے (وغیرہ (۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود ہیں!! (۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات اور خصائص اپنے بندوں کو دے دئے ہیں ــــ یعنی تمام اولیا ــــ معاذ اللہ ــــ عطائی وہبی خدا ہیں (۷) قریباً تمام

اہل المبدعتہ وغیرہ و دیگر "ارشادات" بریلویہ) واقعات شاہد ہیں کہ یہ لوگ بالکل باطنی فرقہ کے نقش قدم پر چل پڑے ہیں۔ اور توحید و سنت کی ترقی سے کچھ بوکھلا سے گئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پہ بالکل یاس کی حالت طاری ہوگئی ہے۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید قدس اللہ روحہ جیسی ہستی کی بے ادبی کرنے کی سزا ان کو یہ ملی ہے کہ ان کے بزرگوں سے علم سلب کر لیا گیا ہے۔ سمجھدار اور علماء ان حضرات میں روز بروز کم ہو رہے ہیں جہلا کے ساتھ ربط، عوام کی شورش و شرارت پسندی کے سوا دنیا میں ان کا کوئی سہارا نہیں! اہل توحید کی مساجد پر قبضے، شرفاء پر قاتلانہ حملے، خانقاہوں کے مجاوروں کی سفارشوں اور رشوتوں سے مقدمات جیتنا ان حضرات کا پاکستان میں عمومی مشغلہ ہے۔ اگر مشترکہ امور میں عوام سے اشتراک، دوسری جماعتوں کے سٹیجوں سے اور معقولیت سے گفتگو کرتے افہام و تفہیم اور نزاعی امور میں اصلاح سے عموماً اس جماعت کے اکابر پرہیز کرتے ہیں۔ احساس کہتری اور لا مساس کے مرض میں عموماً یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اصلاح ذات البین کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ مختلف الخیال جماعتیں مل کر اپنے تنازعات کا منصفانہ فیصلہ کر سکیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باطنی فرقہ کی طرح یہ حضرات فسادات کو سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں۔

محل نزاع اس موضوع پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں محل نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ امام بیہقی نے ائمہ حدیث کی طرح اس موضوع کے متعلق مواد جمع فرمایا ہے۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح اور حیات الانبیاء سے استفادہ بھی فرمایا اور بعض احادیث کی توجیہات بھی کی ہیں۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح سے تو استفادہ فرمایا ہے لیکن معلوم نہیں قصیدہ نونیہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی حالانکہ قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن القیم نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے

اہل حدیث اور فقہا اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر، اصحاب الرائے و اہل حدیث کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسب حال اور حسب ضرورت دیا جاتا ہے۔ شہداء

کے متعلق حیات کی وضاحت قرآن عزیز میں موجود ہے۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادت وغیرہ کا ذکر آتا ہے پاکستان میں جو لوگ توحید کا وعظ کہتے ہیں وہ عقائد کی اصلاح کے سلسلے میں مہینوں مسلسل سفر کرتے ہیں۔ انبیاء اور شہدا کی برزخی زندگی اور اس زندگی میں مراتب کے تفاوت ان لوگوں کا عقیدہ بالکل درست ہے۔

جو شخص قبر میں عذاب یا ثواب کو احادیث نبویہ کی روشنی میں مانتا ہو۔ وہ ان صلحا کے متعلق عدم محض و فقدان صرف کا قائل کیوں ہوگا۔ ہاں مراتب کا فرق یقینی ہے انبیاء کا مقام یقیناً شہدا سے اعلےٰ وارفع ہونا چاہیئے۔ بحث اس میں ہے کہ آیا یہ زندگی دنیوی زندگی ہے؟ دنیوی زندگی کے لوازم اور تکالیف ان پر عائد ہوتی ہیں؟ قبور میں نماز یا تسبیح برزخی طبیعت کا تقاضا ہے؟ یا شرعی تکلیف کا نتیجہ۔ جو لوگ دنیوی زندگی کے اس معنی سے قائل ہیں ان سے واقعی اختلاف اور آئندہ گذارشات میں مولانا انظر اور مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کی چھان پھٹک اسی زندگی کے پیش نظر کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کی سلامتی اور مٹی سے غیر متاثر ہونا اس میں بھی اختلاف نہیں۔ غرض جو کچھ کتاب و سنت میں صراحۃً آیا اور صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں اس میں کوئی نزاع نہیں۔

حیات النبی کے متعلق بریلوی عقیدہ اس معاملہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قابل شکریہ ہیں۔ انہوں نے موضوع کو وضاحت سے سامنے رکھا ہے دلیل ہو یا نہ ہو لیکن انہوں نے فرمانے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔ فرماتے ہیں فانهم (الانبیاء) صلوات الله تعالیٰ وسلامه علیهم طیبون طاهرون احیاء وامواتاً بل لاموت لهم الا آنیا تصدیقا للوعد ثم هم احیاء ابداً بحیات حقیقیة دنیاویة روحانیة وجسمانیة کما هو معتقد اهل السنة والجماعة (بریلویہ) ولذا لا یورثون ویمتنع تزوج نساءهم صلوات الله تعالیٰ وسلامه علیهم بخلاف الشهداء الذین نص الکتاب العزیز انهم احیاء ونهی ان یقال لهم

اموات (فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۶۱۱) خاں صاحب فرماتے ہیں" انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کے لئے موت آتی ہے۔ اس کے بعد روحانی اور جسمانی لحاظ سے ان کو حقیقی زندگی اور ابدی حیات حاصل ہوتی ہے ——— یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے دیگر جو اہل سنت ہیں ان کی کتابوں میں نہیں!) اسی لئے ان کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں لیکن شہدا کی زندگی اس کے خلاف ہے ان کا ترکہ بھی تقسیم ہوتا ہے۔ اور بیویاں بھی نکاح کر سکتی ہیں"۔ اور اس قسم کی صراحت خاں صاحب نے فتاوی رضویہ صفحہ ۶۱۱ میں بھی فرمائی ہے۔

دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی مولانا حسین احمد صاحب مرحوم مکاتیب میں فرماتے ہیں" آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ۱ھ صفحہ ۱۳۰ ج ۱ سنا ہے مولانا نانوتوی اور بعض اکابر دیوبند بھی اسی قسم کی حیات کے قائل تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے بھی مدارج النبوۃ میں حیات دنیوی کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے سبکی رحمہ سے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ لیکن عام فقہا اور محدثین احناف شوافع، موالک، حنابلہ رحمہم اللہ سے اس قسم کی صراحت منقول نہیں ہوئی۔ حضرات دیوبند سے بھی حضرت مولانا حسین علی مرحوم (واں بھچراں) اور ان کے تلامذہ مولوی نصیر الدین صاحب وغیرہ بھی صراحتہً اس کے خلاف ہیں!

غور و فکر کے لئے چند گذارشات (۱) یہ ایسا خیال ہے کہ امت میں گنتی کے دس آدمی بھی نہیں۔ جو اس کی صراحت کرتے ہوں۔ اور اسے اجتماعی عقیدہ کہنا اہل علم کے لئے مناسب نہیں۔

(۲) اسے متواتر کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ تواتر کی کوئی شرط بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ کم از کم تواتر میں حواس کا ادراک لازمی ہونا چاہیئے۔ قرآن جس زندگی کو خارج از شعور فرما رہا ہے۔ وہاں حواس اور اس کے استعمال اور ادراک کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔

(۳) جس اصلاحی تحریک کے ساتھ تعلق کی بنا پر آپ حضرات کو وہابیت کا سرخاب لگایا گیا اس کے مزاج میں تو سماعِ موتیٰ کی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی ۔ حیاتِ دنیوی اس میں کہاں سمائے گی۔ مرحوم مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) اور پوری جماعت اہلحدیث نے کتاب و سنت اور اس مقدس تحریک کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ان "الہامی" اوہام کا انکار کر دیا ؎

وکنا ولیلی فی صعود من الہوی　　　فلما توافینا ثبتُّ وزلت

(۴) خانصاحب بریلوی اور مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کی حیات کو شہدا کی منصوص حیات سے ممتاز فرمایا ہے کہ انبیاء کی حیات اقوی ہے ۔ مگر اس طرح شہدا کو مقیس علیہ قرار دے کر انبیاء کی حیات کو ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔ اقوی کو اضعف پر قیاس کرنا اصول کی تصریحات کے خلاف ہے ۔

(۵) انبیاء کے ترکہ کی تقسیم اور نکاح ازواج کی حرمت کی علت اگر واقعی دنیوی زندگی ہے تو اس کا حکم شہداء کی ازواج اور ترکہ کے متعلق بھی وہی ہونا چاہیئے ۔ خاں صاحب اور مولانا نے اس میں خلاف کی صراحت فرمائی ہے ۔ اس لیئے حیات انبیاء کے لئے سورہ بقرہ اور آل عمران کی آیات کو اساسی نہیں قرار دینا چاہیئے ۔

(۶) ایسے اوہام کو عقیدہ لینا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا ۔ کتب عقائد (شرح عقائد نسفی، عقیدہ طحاویہ شرح العقیدۃ الاصفہانیہ ۔ عقیدہ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محل نظر ہے ۔ عقیدہ کے لیئے حسب تصریح متکلمین واشاعرہ وماتریدیہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے ۔ حیاتِ انبیاء کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیحہ سے بھی فروتر ہیں ۔ کما لا یخفی علی من لہ نظر فی فن الرجال

(۷) آنحضرت کے انتقال کے وقت بعض امہات المومنین کی عمر بہت کم تھی ۔ خانصاحب بریلوی نے اس [illegible] کی حیات دنیوی کے ساتھ شب باشی کا راستہ ہی کھول دیا (ملفوظات جلد ۳ ص ۲۶) ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اکابر دیوبند صرف زندگی کے قائل ہیں اور خیال

فرماتے ہیں کہ عقلاً زندگی کافی ہے حالانکہ حقوق زوجیت کے لئے صرف حیات کافی نہیں۔ کہ اس قسم کے بھونڈے استدلال سے پرہیز ہی زیادہ مناسب نہیں تھا۔

(۸) موت کی پوری حقیقت تو معلوم نہیں بظاہر موت جسم اور روح کے انفصال کا نام ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس پر شریعت نے عدت اور تقسیم ترکہ کے احکام مرتب فرمائے ہیں۔ اہل سنت موت کے بعد جسم اور روح کے غیر شعوری تعلق کو مانتے ہیں۔ عدم محض اور کلی فقدان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کا آخری حصہ بالکل بے ضرورت ہے۔ پاکستان کے اہل توحید انبیاء علیہم السلام کے متعلق موت کی کسی نئی قسم کے قائل نہیں۔

(۹) دنیوی زندگی ماننے سے کوئی عقلی مشکل تو قطعاً حل نہیں ہوگی۔ البتہ بیسیوں مشکلات اور سامنے آجائیں گی جن کا حل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

عقلاً آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ نبی کو دیوار کی اوٹ میں چھپانے کیا حکمت ہے اور اس سے کیا حاصل؟ آنحضرت کی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ نے مسند خلافت پر کیسے تشریف رکھی۔ حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں طلب کیا۔ کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ والد کی زندگی میں یہ مطالبہ درست ہی نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نحن معاشر الانبیاء ذکر کر کے ان کو مطمئن فرمایا یہ کیوں نہ فرمایا کہ مطالبہ قبل از وقت ہے۔ فتنہ ارتداد اور بعض دوسرے مصائب میں صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی طرف رجوع کیا نہ آنحضرتؐ نے کوئی مفید مشورہ دیا۔ حالانکہ زندگی میں بوقت ضرورت دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حافظ ابن القیم کیا خوب فرماتے ہیں۔

لو کان حیاً فی الضریح حیاتہ	قبل الممات بغیر ما فرقان
ما کان تحت الارض بل من فوقہا	واللہ ہذی سنۃ الرحمان
اتراہ تحت الارض حیاً ثم لا	یفتیہم بشرائع الایمان
ویریح امتہ من الآراء والخلف العظیم وسائر البہتان	
ام کان حیاً عاجزاً عن نطقہ	وعن الجواب لسائل لہفان
وعن الحراک فما الحیاۃ اللات قد	اثبتموہا اوضحوا ببیان

(قصیدہ نونیہ ص ۱۴۳)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیوی ہے تو زمین کے نیچے کی بجائے عادت کے مطابق زمین کے اوپر رہنا چاہیئے۔ آپ زمین کے نیچے زندہ ہوں اور فتوے نہ دیں۔ صحابہ کو اختلاف اور ان پریشان سے بچائیں۔ اگر زندہ ہوتے تو سوال کا جواب دیتے۔ اور حرکت کرنے سے عاجز ہیں۔ تو پھر وہ زندگی نہ رہی جسے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

دنیوی زندگی ماننے کی صورت میں اس قسم کے سینکڑوں عقلی سوال آپ پر عائد ہونگے اور اسلامی تاریخ ایک معمہ ہو کر رہ جائے گی۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت حضرت حسن کی صلح مختار بن عبید ثقفی کی عیاریاں، حرہ کا فتنہ، مسیلمہ اور اسود کی نبوت، حجاج بن یوسف کے مظالم، عباسی انقلاب، سقوط بغداد اور ترکوں کے مظالم، قادیانی نبوت ایسے حوادث لیکن کہیں بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مداخلت فرمائیں۔ مسجد کے ایک خادم کی موت پر حضرت بے قرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائیں اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی شہادت پر تعزیت کے لئے بھی تشریف نہ لائیں۔ عقلمند اور ذہین لوگ آپ سے دریافت کریں گے کہ آخر یہ کیوں ہے؟ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ کی تلخی بالکل برمحل ہے۔

یا قومنا استحیوا من العقلاء والمبعوث بالقران والرحمان

واللہ لا قدر الرسول عرفتم　　کلا ولا للنفس والانسان

من کان ھذا القدر مبلغ علمہ　　فلیستتر بالصمت والکتمان

ولقد ابان اللہ ان رسولہ　　میت کما قد جاء فی القران

(قصیدہ نونیہ ص　)

اے قوم! تمہیں خدائے ذوالجلال قرآن اور عقلمندوں سے شرم محسوس ہونی چاہیئے نہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کو پہچانا نہ انسانیت اور روح کی اقدار کو تم نے سمجھا جس کا اسی قدر مبلغ علم ہو اسے خاموش ہو کر چپ رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ آنحضرت پر موت وارد ہو چکی۔"

انبیاء کی حیات دنیوی اہل بدعت کا مذہب ہے۔ | ابن قیم کے بیان سے تو معلوم

ہوتاہے کہ حیات دنیوی اہل بدعت معطلہ کا مذہب ہے۔ قصیدہ نونیہ صلا۱۴ ملاحظہ فرمائیں فرماتے ہیں ہماری یہ شہادت ہے کہ تم زمین پر قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے نہ آسمان پر خدا کو تم قابل اطاعت سمجھتے ہو۔ اور نہ ہی تمہارے خیال میں آنحضرتؐ قبر میں مدفون ہیں اھ

اگر مولوی احمد رضا اس قسم کی بہکی باتیں کہیں تو تعجب نہیں اہل توحید اور مدرسین حدیث سے اس قسم کے خیالات کا اظہار تعجب انگیز ہے۔

کیا موت انبیاء کے لئے موجب توہین ہے؟ یہ سمجھ نہیں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کے حق میں ہم موت سے گھبراتے کیوں ہیں۔ موت کوئی بری چیز نہیں۔ نطفہ سے شروع ہو کر قبض روح طفولیت، صبا، مراہقت، شباب، کہولت۔ شیخوخت زندگی کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ عوارض ہیں۔ مگر انبیاء، صلحا، اہل اللہ سب کو اس راہ سے گذرنا ہے اس لئے کسی کے لئے ان میں کوئی منزل نہ تو خوشگوار ہے نہ موجب توہین۔ زندگی بہر حال ان منازل ہی سے تعبیر ہے۔

قرآن عزیز نے فرمایا خلق الموت والحیواۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (ملک) یعنی موت و حیات اسی دار الابتلاء کی منازل ہیں۔ جن سے ہر انسان کو گذرنا ہے۔ دنیوی زندگی سے آخرت تک پہنچنے کے لئے موت ایک پل ہے۔ جسے سب کو عبور کرنا ہے۔ اس میں نہ تحقیر ہے نہ اہانت۔ اگر موت کوئی بری چیز ہے تو انبیاء اور صلحاء پر اسے ایک آن کے لئے بھی نہیں آنا چاہیئے اور اگر واقعی آخرت کے سفر کی یہ بھی ایک منزل ہے تو اس کے لئے پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں اسے اسی قانون سے آنا چاہیئے جو ساری کائنات کے لئے اسکے خالق نے تجویز فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو فرمایا لعلی لا القاک بعد عامی ھذا او مجھ المسروات (؟) شاید میں تمہیں آئندہ نہ مل سکوں۔ اسی طرح ایک خاتون سے فرمایا۔ ان لم تجد ینی فاتی ابا بکر (مشکوۃ) اگر میں زندہ نہ رہا تو تم حضرت ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ سورۃ نصر کے نزول پر حضرت صدیق اکبرؓ کو خطرہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ آپؓ رو دیئے۔ آنحضرتؐ نے کچھ سنا اور ایک لمحہ کیلئے

اسے ناپسند نہیں فرمایا، تاریخ، سیرت اور سنت کے دفاتر موت کے حوادث سے بھرپور ہیں۔ پھر معلوم نہیں ہم لوگ اس کے ذکر سے لرزہ براندام کیوں ہیں۔ آنحضرت کی وفات کے تذکرہ سے از دیو بند تا بریلی ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں آنحضرت کی وفات، موت، تجہیز و تکفین، دفن کے عنوان موجود ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے گھبراہٹ کیوں ہوتی ہے۔ بعض امہات المومنین نے آنحضرت کی وفات کے بعد سر کے بال کٹوا دیئے اس لئے کہ اب ان کی ضرورت نہیں۔ (صحیح مسلم) بعض امہات المومنین نے سر بالکل منڈا دیا۔ (مجمع الزوائد ص) کیونکہ حضرت انتقال فرما چکے اسے موت کہیئے وصال کہیئے۔ آنحضرت کو خلوت گزین فرمایئے کوئی عنوان اختیار فرمایئے حقیقت یہ ہے کہ جسم اور روح کا دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے یہی موت ہے۔ جو برزخی احوال اور قبر کی زندگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا ایک صحیح ذریعہ ہے آپ فرمائیں کہ عالم برزخ میں موت اور زندگی میں ترادف ہے تو مجھے اس اعتراض سے انکار نہیں۔ مگر موت کا انکار اہل علم سے ایک شرمناک سانحہ ہے۔

عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی | عنوان اور تعبیرات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدل سکتے مولانا حسین احمد کی جلالت قدر اور مولانا نانوتوی کی غزارت علمی اور شیخ عبدالحق کی سادگی اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی جس کا اقرار قرآن حکیم نے محکم آیات میں فرمایا ہے۔ اور صحابہ نے اس پر اجماع فرمایا ہو۔ اور دنیا کی تاریخ نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ غرض موت سے گھبراہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یا پھر صراحت فرمایئے کہ موت بری چیز ہے۔ اس میں حقارت پائی جاتی ہے اور اسے ایک لمحہ کے لئے بھی مت تسلیم فرمایئے۔ واقعی آنحضرت کی بے ادبی کفر ہے۔

کراہیتہ الموت | قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے موت سے کراہت کفر کی علامت ہے۔ یہودی اور مشرک موت کو ناپسند کرتے تھے ولتجدنهم احرص الناس علی حیاة ومن الذین اشرکوا یود احدهم لو یعمر الف سنة (۲: ۹۶) یہودی اور مشرک دنیوی زندگی کے زیادہ خواہشمند تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہزار ہزار سال زندہ رہیں۔ لیکن

اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں۔ عذاب بہرحال ہو کر رہے گا۔ غزوہ احد میں منافق بھی موت ہی سے گھبراتے تھے۔ قرآن عزیز نے فرمایا اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ (تم پختہ گنبدوں میں بھی قیام کرو، موت ضرور آئے گی)

آنحضرت کی دعوت مباہلہ | انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت جن کا مستقبل انتہائی تابناک اور روشن ہے وہ اس سے کیوں گھبرائیں۔ آنحضرت فداہ روحی نے مخالفین کو دعوت مباہلہ دی ہم اگر ان سے موت کی نفی کریں تو مدعی سست اور گواہ چست کی مثال صادق آئے گی۔ اہل توحید کا مقام اس میں انبیاء ہی کی طرح وہ راضی برضا ہیں نہ زندگی سے مسرت نہ موت کا غم، جو حکم آئے اس کے لئے ہر وقت تیار۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے مولانا بریلوی ایک آن کے لئے موت تسلیم کرتا ہے اگر موت مقام نبوت کے منافی ہے تو ایک آن کے لئے بھی کیوں ہو۔ اگر یہ منافی نہیں تو ان کے لئے

خانصاحب بریلوی کی طویل ایک "آن" | کیوں بدلا جائے در خان صاحب بریلوی کی آن تو اتنی طویل ہے کہ آنحضرت کا انتقال سوموار کو ہوا دفن بدھ کو فرمایا گیا۔ گھر والوں نے تجہیز و تکفین کے انتظامات کئے۔ دوسرے ساتھیوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں آئندہ خلافت کے متعلق دانشمندانہ فیصلہ فرما لیا۔ آنحضرت کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ نے پڑھی۔ خاں صاحب قبلہ کی رٹ کی آن ختم نہ ہو سکی۔ یا پھر ملائکہ اور صحابہ کو آنحضرت کی دنیوی زندگی کا احساس نہ ہوا۔ تیسرے دن اشک بار آنکھوں کے ساتھ جیتے پیغمبر کو دفن کر دیا۔ اس زندگی کو نہ بیویاں سمجھ سکیں نہ حضرت فاطمہ جان سکیں۔ شہد کے شیعہ حضرات آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ در گور کرنے والے آیا آنحضرت کے سچے ساتھی تھے۔ علماء اہلحدیث دریافت کریں گے یہ آن کتنے گھنٹوں کی تھی یا للعقول الطائشۃ؟ و یا للمضحکات، وقد صدق ابن القیم۔

وأسس مافقد الرسول عرفتم — کلا ولا للنفس والانسان

حیات شہدا کی تحقیق اور اس کی نوعیت | کفار موت کو عدم محض یا کلی فقدان سمجھتے تھے۔ قرآن نے موت کے اس اصطلاحی مفہوم کا شہدا کے حق میں انکار کیا یہ درست ہے

لیکن قتل کے عنوان سے جسم اور روح کے انفصال کا اعتراف فرمایا یا ان کا خیال تھا کہ موت کے بعد داعی فنا ہیں ان اعمال پر کوئی جزا مرتب نہ ہوگی، قرآن نے اسی معنی سے نفی فرما دی اور اس دنیا سے رخصت کے بعد رزق اور نئی زندگی کا اعلان فرمایا جو دنیوی زندگی سے مختلف ہوگی۔ اتنی مختلف کہ دنیا والے اس کا شعور بھی نہیں رکھ سکتے، یہ بالکل صحیح ہے لیکن موت بمعنی انفصال روح سے انکار قطعاً غلط ہے اور بداہت حسی سے جنگ ولا یرغب عن نفسہ الا من سفہ نفسہ۔

پھر یہ زندگی اگر دنیوی زندگی ہی تھی تو لاتشعرون کیوں فرمایا گیا۔ اور انسان اس قدر بے شعور ہیں کہ اس زندگی کو بھی نہیں سمجھتے جس کی زلفِ پریشان کے بناؤ سنگار میں پوری زندگی صرف ہو رہی ہے۔ وہی سوفسطائیت ہوئی جسے عقل گوارا کرتی ہے۔ نہ نقل اس کی تائید کرتی ہے۔

سابقہ عمومی گفتگو کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی، اور محل نزاع کی تعیین کے بعد دونوں بزرگوں نے جو دلائل ارقام فرمائے ہیں وہ خود بخود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آیات اور احادیث اور ائمہ سلف کے اقوال میں دنیوی زندگی کا ذکر بالکل نہیں اور حضرات علماء کی آراء قابلِ احترام ہونے کے باوجود شرعاً حجت نہیں۔ اس کے باوجود مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کمزور تمسکات پر بھی مختصر گفتگو ہو جائے۔

قرآن عزیز نے شہدا کی زندگی کا ذکر سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (بقرہ)

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون (آل عمران)

دونوں آیات شہدا کی زندگی میں نص ہیں اہل سنت کے مکاتب فکر سے کسی نے اس زندگی کا انکار نہیں کیا۔ حضرت مولانا حسین احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی از قبیل دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر" مکاتیب جلد اول ص ۱۳۰ بحوالہ دار العلوم نومبر ۵۷ء

مولانا شہدا کی زندگی کو روحانی سمجھتے ہیں۔ اور انبیاء کی جسمانی دنیوی اور قوی تر ظاہر ہے

کہ حسب ارشاد مولانا یہ آیت روحانی برزخی اور کمزور زندگی کے لئے دلیل بن سکتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیوی جسمانی طاقت ور زندگی اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے لئے یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی۔ نہ ہی اس پر اس کا قیاس درست ہو سکتا ہے۔

آپ حضرات بھی جانتے ہیں کہ شہدا کی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے۔ اور انبیاء کی زندگی چونکہ قوی تر ہے اس لئے نہ ان کی ازواج نکاح کر سکتی ہیں نہ ان کا ترکہ تقسیم ہو سکتا ہے۔ اندریں صورت یہ آیت اس کے لئے کیا دلیل ہو سکے گی؟

شہدا کی زندگی کے متعلق سورہ بقرہ میں لا تشعرون فرمایا ہے یعنی یہ زندگی تمہارے شعور سے بالا ہے۔ آل عمران میں احیاء عند ربھم یرزقون فرمایا محط فائدہ کی قید زائد ہے عند اللہ کا تعلق احیاء سے ہو یا یرزقون سے دونوں عند اللہ ہوں گی فی الدنیا نہیں ہوں گی اس لئے شہدا کی زندگی تو بنص قرآن عند اللہ ہے اور برزخی انبیاء کی زندگی جسمانی دنیوی ہے۔ وبینھما بون اس لئے انبیاء کی زندگی کے لئے ان آیات سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ اب آپ حضرات اگر اس گذارش سے متفق ہوں تو شہدا کی زندگی کے متعلق کوئی اختلاف نہیں رہے گا۔ اور حیات دنیوی پر ان سے استدلال بھی درست نہیں ہوگا جب زندگیاں ہی دونوں الگ الگ ہیں تو نہ ایک کا قیاس دوسری پر ہو سکے گا نہ ایک کے دلائل دوسری کے لئے دلیل بن سکیں گے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے معتاد رزق سے اگر دنیوی معتاد سمجھا ہے تو یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ شہدا کی زندگی جب عند اللہ ہے تو دنیوی رزق وہاں کیسے جا سکتا ہے اگر معتاد برزخی مراد ہے تو حیات دنیوی کے لئے یہ رزق دلیل نہیں بن سکے گا۔

رزق سے استدلال بے معنی ہے ایسے رزق سے زندگی پر استدلال بالکل بے معنی اور غلط ہے۔ رزق تو انبیاء اور شہدا کے علاوہ برزخ میں باقی مرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ ارشاد ربانی پر غور فرمائیں۔

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنھم اللہ رزقا حسنا

ان اللہ ھو خیر الرازقین (الحج ۲۲-۵۸) آیت میں موت اور قتل دونوں پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس جب رزق طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے تو رزق سے زندگی پر استدلال صحیح نہ رہا۔ آپ حضرات کے نظریات سے لازم آتا ہے کہ کوئی بھی مرتا نہیں یوں ہی موت کا لفظ لغت میں رکھ لیا گیا ہے۔ داشتہ آید بکار۔

شاہ عبدالعزیز کی تحقیق | شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں

"آرے ارواح شہیداں از تمتعات ایں جہاں و تکلیفات دنیا دور افتادہ اند اما تمتعات جسدانیہ بے تکلفات دارند و اصلاً روئے غم و الم نمے بینند پس در حقیقت حیات ایشاں اتم از حیات دنیوی است" (تفسیر عزیزی ص۴۱۲)

یعنی شہدا کی روحیں اس دنیا کے فوائد در تکلیفات سے تو بہت دور جا چکی ہیں۔ لیکن عالم برزخ میں ان کو دوسرے اجسام (سبز پرندوغیرہ) عطا ہوتے ہیں۔ ان سے وہ بے تکلف مستفید ہوتے ہیں انہیں فکر اور غم نہیں ہوتا ان کی یہ زندگی دنیا کی زندگی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہے" اھ۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

"این نوع تعلق کہ ارواح شہدا را با جانوراں پرندہ ہم میرسد ہم بیروں از عالم عناصر است" (ص۴۲۷) شہدا کا جن پرندوں سے تعلق ہے یہ بھی اس عنصری دنیا سے بالکل الگ ہیں۔

"ص۴۲۷ پس حیات شہدا در عالم برزخ حیات جزائی است نہ حیات ابتدائی اھ"

"برزخ میں شہدا کی زندگی جزاء اعمال کیلئے ہے ابتدائی اور اعمال کی زندگی نہیں اھ"

شاہ صاحب کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہدا کی زندگی اس عنصری دنیا کی زندگی نہیں بلکہ وہ عالم برزخ اور دار الجزا کی زندگی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے ان اکابر کو دنیوی زندگی کہاں سے سمجھ میں آئی اور دنیوی زندگی سے ان کو کیوں محبت ہے، دنیوی زندگی کو ترجیح کفار کا خیال تھا۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا (جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے) انبیاء اور شہدا کے تو تصور میں بھی ایسا نہیں آ سکتا۔ ابن قیم کا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

واللہ لا السرحان انسیتم ولا | ارداحکم یا مدعی العرفان

عطلتم الابدان من ارواحھا　　　والعرش عطلتم من الرحمان

جیسا کہ گذرا یہ عقیدہ ابن قیم کی تحقیق کے مطابق فرقہ معطلہ کا تھا، عقائد کے بارے میں یہ لوگ اپنے وقت کے بدعتی تھے۔ اہل سنت کا عقیدہ شہدا اور انبیاء کی حیات دنیوی کا نہیں۔ حیات برزخی ہے جس کی صراحت شاہ صاحب نے فرمائی۔

علامہ آلوسی حنفی کی تصریحات | شیخ شہاب الدین ابوالفضل السید محمود آلوسی بغدادی نے ۱۲۷۰ھ جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق عراق کے مفتی اور مسلکاً حنفی ہیں روح المعانی (پارہ ۲ بقرہ) میں اس موضوع پر کسقدر تفصیل سے لکھا ہے، انہوں نے حیات شہداء کے متعلق پانچ مسالک کا ذکر فرمایا ہے اول جسمانی دوسری روحانی باقی مسالک باطل ہیں۔ پہلے مسلک کے متعلق فرماتے ہیں "یہ راجح ہے ابن عباس، قتادہ، مجاہد، الحسن، عمرو بن عبید، واصل بن عطا جبائی، رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی پسند کیا ہے۔"

جسم کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض اسی جسم کے قائل ہیں جس پر شہادت وارد ہوئی۔ بعض کہتے ہیں۔ اس حیات کا تعلق پرندوں سے ہے جن کا رنگ سبز ہوگا ان کے آشیانے قندیلیں ہوں گی۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ دنیوی جسم سے ملتا جلتا جسم ان کو عطا ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"وعندی ان الحیاۃ ثابتۃ لکل من یموت من شہید وغیرہ وان الارواح وان کانت جواھر قائمۃ بانفسھا مغائرۃ لما یحس بہ من البدن لکن لامن تعلقھا ببدن برزخی مغایر لھذا البدن الکثیف (ص۲۱ پ۲) یعنی حیات برزخی سب کے لئے ثابت ہے شہید اور دوسرے سب اس میں شامل ہیں۔ ارواح قائم بالذات ہیں۔ (علی مذہب اہل سنت) اس محسوس دنیوی بدن سے مغایر ہیں۔ لیکن برزخی جسم سے تعلق میں کوئی مانع نہیں۔ یہ دنیوی کثیف بدن سے مختلف ہے۔" اھ

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"وان ارواح الشھداء اثبتت لھا ھذا التعلق علی وجہ یمتازون بہ

عمن عداهما ما في اصل التعلق او في نفس الحياة بناء على انها من المشكك لا المتواطي اھ" شہدا کی ارواح کا یہ تعلق باقی اموات سے امتیازی ہے یہ امتیاز بدن کے تعلق میں ہو یا زندگی ہی کلی مشکک ہو اھ۔

دنیوی جسم کے متعلق فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ چنداں مستبعد نہیں لیکن ہم سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ دنیوی جسم کے ساتھ زندگی سے کم درجہ تفا دلوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور ایک سقاہت پر یقین دلانے کے سوا کچھ حاصل نہیں اھ

علامہ آلوسی برزخی زندگی کے قائل ہیں اور اسی زندگی میں شہدا اور عام اموات کو شریک سمجھتے ہیں۔ لیکن اس زندگی میں تواطی کی بجائے تشکیک سمجھتے ہیں۔ تاکہ شہدا اور باقی اموات میں امتیاز رہے۔ ان کے اس مفصل ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئمہ سنت سے ان کے زمانہ سنہ ۱۲۷۰ھ تک دنیوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دنیوی جسم کے ساتھ تعلق کے جو لوگ قائل ہیں وہ بھی تعلق کی نوعیت برزخی سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں اکابر دیوبند میں یہ غلط عقیدہ آ کہاں سے گیا۔

علامہ آلوسی آخر میں فرماتے ہیں۔

" وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منه مات سنين وانهم الى اليوم تشخب جروحهم دما اذا رفعت العصابة عنها فذلك مما رواه هبنقة بن بيان وما هو الا حديث خرافة وكلام يشهد على مضمونه تقديم السخافة اھ ص۲۱ پ۲ بقرہ۔ اور ایسی حکایات جن میں صدیوں کے بعد شہداء کے اجسام سے خون بہنے کا ذکر ہے یہ سب خرافات ہیں۔ ان کے راوی غیر مستند ہیں اور ان حکایات کی تصدیق کرنے والے خفیف العقل ہیں اھ

خطیب [illegible] صاحب جیسے ثقافت [illegible] کا تذکرہ مجمل تنقید کے ساتھ فرمایا ہے حالانکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کی پارٹی کے خرخشات [illegible]